مستند عالم نہیں ہوا، صرف شیخ اسمٰعیل محدث کی ذات مستثنیٰ ہے، یہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان میں علم حدیث[1] و تفسیر کو لاہور میں لائے، ان کی وفات سنہ ۴۴۸ھ میں ہوئی،

ساتویں صدی میں حسن بن محمد صغانی (م سنہ ۶۵۰ھ) کے وجود سے علم حدیث کا چرچا ہوا، انھوں نے اپنی کتاب "مشارق الانوار" میں (۲۲۴۶) بائیس سو چھیالیس احادیث کا صحیحین سے انتخاب کیا، جو ہندوستان اور ممالک اسلامیہ میں صدیوں تک زیر درس رہی ہے[2]، اس کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ قاسم بن قطلوبغا، فیروزآبادی، صاحب قاموس، ابن الملک کرمانی جیسے علماء اس کے شارح ہیں، علامہ صغانی کا علم حدیث میں جو مذاق تھا اس کا اندازہ مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کے اس بیان سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ان کی تصنیفات میں دو رسالے اور ہیں جن میں موضوع احادیث کو انھوں نے جمع کیا ہے ان میں بعض ایسی حدیثوں کو درج کر دیا ہے، اس لئے ان کا شمار ابن جوزی کی طرح سخت گیروں میں ہے[3] بہر حال علامہ صغانی تو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دلی میں اور کوئی حدیث کا عالم ان کے زمانے میں موجود ہی نہیں تھا، حضرت نظام الدینؒ اولیاء فرماتے ہیں: ان دنوں "دلی" میں بڑے بڑے علماء موجود تھے، جو علوم میں صغانی کے مساوی تھے، مگر صغانی کو علم حدیث میں سب پر امتیاز حاصل تھا، اور اس علم میں ان کا مدمقابل کوئی دوسرا نہ تھا[4]۔

ہندوستان میں حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلے میں یہ مثال پیش کی جاتی ہے: کہ مسئلہ سماع پر بحث کے دوران میں حضرت نظام الدینؒ اولیاء، (م سنہ ۷۲۵ھ) نے امام غزالیؒ کے قول "یجوز لاھلہ ولا یجوز لغیرہ" کو حدیث قرار دے کر مجلس مناظرہ میں پیش کیا، فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن حضرت کی طرف اس کا انتساب کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ ناقل ہی کا تسامح ہے کیوں کہ میر خورد حضرت کے حالات میں لکھتے ہیں، کہ مشارق الانوار شیخ کو زبانی یاد تھی[5]، بلکہ اسی سیر الاولیاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت کے استاد مولانا کمال الدین سند میں یہ الفاظ لکھنے کے بعد "بان قرأ ھذا الاصل المستخرج من

---

۱ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲ ۲ ابجد العلوم ص ۸۹۱

۳ الفوائد البہیۃ ترجمہ حسن صغانی ۴ فوائد الفواد ص ۱۰۴

۵ سیر الاولیاء ص ۱۰۱

© rasailojaraid.com

الصحیحین علی ساطر هذه السطور" صحیحین سے حدیثوں کا یہ مجموعہ جو منتخب کیا گیا ہے، اس کو ان سطروں کے لکھنے والے سے پڑھا ہے،

یہ الفاظ لکھتے ہیں،

قرأة بحث واتقان وتنقیح معانیه وتنقیر مبانیه | یہ پڑھائی کامل بحث واتقان اور معانی کی تحقیق اور اس کی بنیادوں کی کھوج کرید کے ساتھ ہوئی تھی،

۶۵۰ھ جو صغانی کی وفات کا زمانہ ہے، اسی کے بعد دلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی عجیب و غریب خانقاہ قائم ہوتی ہے، خانقاہ سے متصل ایک مدرسہ بھی تھا، جس میں مولانا فخر الدین ہدایہ کا درس دیتے تھے ایک روز ان کے درس میں مولانا کمال الدین تشریف لائے، اس کے بعد مولانا فخر الدین نے اپنے ہدایہ پڑھانے کا طریقہ بدل دیا، یعنی جن حدیثوں سے صاحب ہدایہ استدلال کرتے ہیں، ان سے استدلال کرنا ترک کر دیا، اور صحیحین کی احادیث کو اپنے مسلک حنفی کی دلیلوں میں پیش کرنے لگے۔[1]

اس واقعہ سے مولانا فخر الدین کے فن حدیث میں رسوخ و مہارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حدیث سے بے اعتنائی کے سلسلے میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ علاء الدین خلجی (۶۹۵-۷۱۶) کے دور کا یہ سانحہ ہے کہ مصر کے ایک مشہور محدث شمس الدین ترک حدیث کی ترویج و اشاعت کی دھن میں ہندوستان تشریف لائے، کہا جاتا ہے کہ وہ اسی غرض سے حدیث و متعلقات کی کوئی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے، ان کا خیال یہ بھی تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں، پر ابھی وہ ملتان ہی تک پہنچے تھے کہ انھیں معلوم ہوا...... کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، اور نہ اسے جمعہ و جماعت کا خیال ہے، رنجیدہ ہوئے اور الٹے پاؤں واپس گئے۔[2]

اس واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان کی واپسی کے سبب سے ہندوستان علم حدیث سے محروم رہا۔ مگر جہاں تاریخ میں محدث شمس الدین ترک کی واپسی کا حال پڑھتے ہیں۔ وہیں ہمیں محمد شاہ تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ)

---

[1] سیر الاولیاء ص ۹۳

[2] امام ولی اللہ دہلوی از مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عہد میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ علامہ جمال الدین مزی، حافظ شمس الدین ذہبی، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد مولانا عبد العزیز اردبیلی دلی تشریف لائے، بادشاہ نے ان کی توقیر و تکریم کی[۱]۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان جلیل القدر محدثین کا شاگرد کسی ملک میں آئے اور بادشاہ بھی قدردان ہو وہاں بھلا علم حدیث کا چرچا نہ ہوا ہوگا؟

آٹھویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد رشید حافظ سخاوی کے متعدد شاگرد ہندوستان آئے جن میں دو ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک مولانا رفیع الدین صفوی جنھوں نے شمالی ہند کے مشہور شہر آگرہ میں درس حدیث کا حلقہ قائم کیا اور دوسرے مولانا راجح بن داؤد نے گجرات کے مشہور شہر احمد آباد میں مدت تک درس حدیث دیا[۲]۔

مولانا رفیع الدین کی جلالت شان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "حافظ سخاوی نے سید رفیع الدین صفوی کی آمد سے قبل تقریباً پچاس کتابوں کے پڑھنے کی اجازت لکھ کر بھیج دی تھی، جس کے بعد سید رفیع الدین نے حاضر ہو کر بالمشافہہ شیخ سخاوی سے حدیث پڑھی، .... پھر آپ سلطان سکندر کے زمانے میں گجرات سے دہلی آئے، اور با صرار سلطان کے کہنے پر آپ نے آگرہ میں قیام کیا"[۳]۔

مؤرخ ہندوستان مولانا سید عبد الحئی صاحب محمود شاہ بن حسن بہمنی م ۸۹۹ھ کے حالات میں لکھتے ہیں محدثین کی اس بادشاہ نے بڑی بڑی تنخواہیں جاری کر رکھی تھیں تاکہ با طمینان قلب کامل توجہ کے ساتھ علم حدیث کی اشاعت میں مصروف رہیں، یہ بادشاہ محدثین کی بڑی عزت کرتا تھا[۴]۔

نویں صدی ہجری میں گجرات میں حدثنا و اخبرنا کا غلغلہ بلند ہوا، شیخ علی متقی صاحب منتخب کنز العمال و شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار کے وجود سے وہاں علم کی خوب گرم بازاری رہی، جب اکبر (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ) نے مملکت گجرات کو اپنے قلمرو سلطنت میں شامل کر لیا، تو وہ چہل پہل جاتی رہی[۵]۔

---

[۱] سفر نامہ ابن بطوطہ ص ۵۲ ج ۳
[۲] تذکرہ علماء ہند ص ۶۵
[۳] اخبار الاخیار ص ۲۵۰
[۴] نزہۃ الخواطر ص ۱۵۰ ج ۴
[۵] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان ندوی کا رسالہ "ہندوستان میں علم حدیث"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ - ۱۰۵۲ھ) | شیخ محدث حضرت مجدد الف ثانی کے معاصر ہیں، اکبر کے دورِ ضلالت سے گھبرا کر شیخ نے ۹۹۶ھ حجاز مقدس کا سفر کیا، اور وہاں کے محدثین سے حدیث کا درس لیا، اور شیخ عبدالوہاب متقی سے سلوک و طریقت کے منازل طے کئے، اور پھر اپنے شیخ کے حکم سے ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس تشریف لائے، یہاں آکر ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی، قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، ہندوستان بالخصوص شمالی ہند میں آپ کی ذات سے علم حدیث کا چرچا ہوا، شیخ محدث نے مشکوٰۃ کا ترجمہ و شرح بزبان فارسی کیا، اور عربی میں بھی مشکوٰۃ کی شرح لکھی، اول الذکر کا نام اشعۃ اللمعات ہے اور ثانی الذکر کا نام لمعات ہے[1]، شیخ کے خانوادے نے علم حدیث کی جو خدمت انجام دی، وہ محتاجِ تعارف نہیں، ہندوستان کے علماء نے علم حدیث و متعلقات پر جو کتابیں لکھی ہیں، اس سے واقفیت کے لئے مورخِ ہندوستان مولانا سید عبدالحئی صاحبؒ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کا مطالعہ کرنا چاہیئے، جس سے اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں تصنیف و تالیف کی راہ سے علم حدیث کی کیا گراں قدر خدمات کی گئی ہیں۔

امام ولی اللہؒ اور علم حدیث | سطورِ بالا میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، اس کا مقصد ایک اجمالی تعارف ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب سے پیشتر ہندوستان علم حدیث سے بیگانہ نہیں تھا، البتہ شاہ صاحب کے ذریعہ آج اس ملک کا منارۂ محمد اللہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اسلامی ممالک میں کوئی ملک اس حیثیت سے اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، شاہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج نہیں ہوا تھا، بلکہ خود حدیث کا جو سرمایہ ہندوستان میں لوگوں نے پڑھا تھا، وہ کل یہ تھا "پوری مشکوٰۃ بجز چند ابواب یعنی کتاب البیع سے کتاب الآداب تک پڑھی تھی، اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی کتاب الطہارۃ تک[2]"

شاہ صاحب خود فرماتے ہیں " والد صاحب (شاہ عبدالرحیمؒ) کی وفات کے بعد بارہ ۱۲ سال تک کتبِ دینیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا، اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا"

اور مذاہبِ اربعہ کی فقہ اور ان کی اصولِ فقہ کی کتابوں اور اُن احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن

---

[1] ماخوذ از اخبار الاخیار

[2] انفاس العارفین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں نورِ غیبی کی مدد سے "فقہاء محدثین" کا طریقہ دل نشین ہوا، غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گذرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا، اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابو طاہر قدس سرہٗ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذِ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی[1] مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا، اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں بارش ہوئی۔ نیز اسی سفر میں حرمین شریفین اور عالمِ اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا، حضرت شیخ ابو طاہر مدنی قدس سرہٗ کی طرف سے تمام طرقِ صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا، پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہو کر اوائل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی، اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالیٰ صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "علم حدیث پدرِ من از مدینہ منورہ آوردہ، چہاردہ ماہ در حرمین بسر بودہ سند کردہ"[2] میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے، چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی۔

شاہ صاحب کی علمی استعداد کا اندازہ اس دورِ طالب علمی میں جب شیخ ابو طاہرؒ سے پڑھ رہے تھے خود شیخ ابو طاہر کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے کہ "یسند عنی اللفظ وکنت اصحح منہ المعنی"[3] یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔

شاہ صاحبؒ حرمین شریفین سے جن ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان واپس ہوتے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استادِ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا "ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الا علم دین (حدیث)"[4] میں نے جو کچھ پڑھا تھا

[1] الجزء اللطیف ص [illegible] فی ترجمۃ العبد الضعیف

[2] ملفوظات ص ۹۳ [3] الیانع الجنی ص [illegible] [4] ملفوظات ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب بھلا دیا، بجز علم حدیث کے۔

شاہ صاحبؒ کا درس حدیث شاہ صاحبؒ حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے، اور یہاں آکر صرف تین مشغلے اختیار فرمایا، شاہ عبدالعزیزؒ صاحب ہی کا بیان ہے "خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے، اور صرف حدیث پڑھاتے ہے۔[1]

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "کہ حرمین میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں (۱) سرد (۲) بحث وتحقیق (۳) درس کا وہ طریقہ ہے جس کا نام امعان وتعمق کا طریقہ ہو سکتا ہے، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے متعلقات پر مالہٗ وما علیہ پر بحث کی جائے، اس تیسرے طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے واعظوں وقصہ خوانوں کا طریقہ قرار دیا ہے، اور دوسرے طریقہ کو مبتدیوں کے لئے مفید بتایا ہے، اور پہلا طریقہ دورۂ حدیث کے لئے قرار دیا ہے[2] اس لئے شاہ صاحبؒ کے یہاں مشکوٰۃ شریف بحث وتحقیق سے اور صحاح ستہ سرداً ہی پڑھائی جاتی تھی، البتہ صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں، ان پر طلبہ کو متنبہ کیا جاتا تھا، مثلاً بخاری کی غرض احادیث صحیحہ کے انتخاب کے ساتھ طرق استنباط ہے، اس لئے صحیح بخاری کے تراجم ابواب نہایت مہتم بالشان سمجھے گئے ہیں، اور اہل درس کا مشہور مقولہ ہے "فقہ البخاری فی تراجمہ" "بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے"

شاہ صاحبؒ نے ایک رسالہ شرح تراجم ابواب بخاری پر لکھا ہے، جو عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے، ابتداء رسالہ میں پندرہ[عہ] اصول بیان فرماتے ہیں، جن کے بارے میں خود شاہ صاحب کا ارشاد ہے کہ ہر طالب علم کے لئے ان اصولوں کا یاد رکھنا واجب ہے، بہرحال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تدریس حدیث کا کیا طرز تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورۂ حدیث کہتے ہیں اس کے بانی اول فی الواقع حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی کی ذات گرامی ہے۔

---

[1] ملفوظات ص ۴۳

[2] ماخوذ از انفاس العارفین ص ۱۸۱

عہ حضرت استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مدظلہٗ نے شاہ کے ان اصولوں اور متقدمین ومتاخرین کے اقوال وآراء اور اپنی ذاتی تحقیقات سے ان اصولوں کی تعداد ۷۰ بیان فرمائی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری کا مقدمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیف وتالیف کی راہ سے خدمتِ حدیث | شاہ صاحبؒ کا بیش قیمت علمی ترکہ پوری ملتِ اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کے لئے سرمایۂ فخر ہے لیکن اس علمی حقیقت تک اُن لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحب کے خارق عادت علمی و ذہنی کمالات کا مشاہدہ (بُعدِ زمانی و بُعدِ مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہو سکا آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

دسویں صدی یعنی ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے بعد تمام عالم اسلامی پر ایک عام علمی و تصنیفی انحطاط چھا گیا تھا، مگر حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت شاہ صاحب کو مقام تجدید و امامت پر فائز فرمایا تھا، اس لئے ان کے علوم و معارف کی سطح اپنے زمانے کے علماء سے بہت بلند ہے، خود فرماتے ہیں کہ "تخریج بہ تخریج اور تفریع بر تفریع" کے دور میں پیدا ہوئے[۱]۔ "علم حدیث" کی جو خدمت آپ نے انجام پائی اس کو تین عنادین کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کتاب و سنت کا باہم ربط | قرآن و حدیث میں متن و شرح کا ربط ہے، کتاب اللہ بمنزلہ متن ہے، اور حدیث بمنزلہ شرح، قرآن مجید میں بھی اس پر تنبیہ کی گئی ہے، امام شاطبیؒ لکھتے ہیں۔

فکانت السنۃ بمنزلۃ التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب[۲] — گویا سنت کتاب اللہ کے احکام کے لئے بمنزلہ تفسیر و شرح کے ہے

امام شافعیؒ نے اپنی مشہور تصنیف "الرسالہ" میں احادیث و سنن کی تین قسمیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو بعینہٖ قرآن پاک میں مذکور ہے، دوسری وہ جو قرآن کے مجمل حکم کی تشریح ہے، تیسری وہ جس کا ذکر بظاہر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے، اور نہ اجمالاً، اس کے متعلق امام شافعیؒ نے علماء کے چار نظریے نقل کئے ہیں، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال بھی صحیفۂ ربانی سے مستنبط ہیں[۳]۔

شاہ صاحب کے نزدیک بھی حدیث کے تمام ابواب کتاب اللہ سے مستنبط ہیں، اپنی کتاب خیر کثیر میں فرماتے ہیں، میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے مستنبط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں پہلا

---

[۱] ازالۃ الخفاء ص ۱۰۷ ج ۱ [۲] الموافقات ص ۱۰ ج ۴ الرسالہ ص ۲۸ و ۲۹
[۳] الخیر الکثیر ص ۸۰

© rasailojaraid.com

جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں[1] ۔ اس کی تفصیل بھی فرمائی ہے، اور اس کے نمونے منتشر طور پر ان کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جس سے اس موضوع پر آئندہ کام کرنے میں پوری طرح رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے ۔

حدیث و فقہ کا ربط جس طرح حدیث کتاب اللہ کی شرح ہے، اسی طرح فقہاء کے اجتہادات درحقیقت احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و تفصیل ہیں[2]، شاہ صاحب جس دور میں پیدا ہوئے تمام بلاد اسلامیہ میں علم حدیث پر زوال آچکا تھا، بالخصوص ترکستان، ایران و ماوراء النہر کے حنفی فقہاء کی ساری دلچسپیاں صرف فقہ و معقولات و تصوف سے تھیں، فقہ کا رشتہ گویا حدیث سے الگ ہو کر رہ گیا تھا، شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں پوری قوت سے حدیث و فقہ کے رشتے کو اجاگر کیا، کیوں کہ حدیث سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے حنفی، شافعی، گروہی عصبیتوں کا بازار گرم تھا، ہر ایک دوسرے کی تردید و تغلیط میں مشغول تھا، حالانکہ ائمہ فقہ میں ہر امام کا استدلال کسی نہ کسی حدیث سے ہے، شاہ صاحب نے جس طرح فقہ حنفی کو پڑھا اسی طرح ائمہ ثلاث کی فقہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، بالخصوص "امام شافعیؒ کی "کتاب الام" تو بکثرت مطالعے میں رہی، حجۃ اللہ البالغہ، عقد الجید میں اس سے جا بجا نقل بھی فرمایا ہے، شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا، اسے واضح کیا، اور یہ بتایا کہ فقہ اسلامی اور اسلامی قوانین کا تعلق کتاب و سنت کے سرچشموں سے ہے، ضرورت ہے کہ یہ تعلق مسلسل تر و تازہ رہے اور ہر مذہب کا پیرو ان علل و اسباب سے واقف رہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے، تاکہ مذہبی عصبیت کا زہر کم ہو، اس سلسلے میں رسالہ الانصاف، عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب بالخصوص موطا کی شرح فارسی مصفّٰی اور عربی تعلیق مسوّیٰ سے پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نواب صدیق حسن خانؒ مشہور اہل حدیث عالم لکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن و سنت

---

[1] الموافقات ص ۱۵ ج ۴ الرسالہ ص ۲۶ تا ۲۹

[2] الخیر الکثیر ص ۳۰

[3] افادات حضرت الاستاد مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

© rasailojaraid.com

پر پیش کرتے ہیں، اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن و حدیث پر تطبیق دیتے ہیں، ..... اور ان کا تمام طریقہ مذہب حنفی ہے[1]، شاہ صاحبؒ حنفیہ کے اس قول کو ترجیح دیتے تھے جو انھیں کتاب و سنت سے اقرب معلوم ہوتا تھا اس میں حدیث فہمی کا کامل معیار پیش کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی راہ اچھی طرح کھول دی ہے۔

رموز شریعت و اسرار سنت | شاہ صاحبؒ کی تصنیفات عام زمانہ کی روش سے بالکل مختلف ہیں، علم حدیث پر شاہ صاحبؒ نے جس نہج پہ کام کیا، اور اس کے اسرار و حِکَم کو قلمبند فرمایا، اس کا اندازہ حجۃ اللہ البالغہ از کتاب الایمان تا ختم کتاب اور ازالۃ الخفار کے بعض ابواب سے لگایا جا سکتا ہے، ان ابواب میں احادیث کے جو حقائق و رموز بیان فرماتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی جا سکتی فرماتے ہیں "حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت، اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں، اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے ان سب کے اسرار و رموز کو بیان کرنا در اصل ایک فن ہے، اس فقیر سے پہلے جتنی بحث بات میں نے کہی ہے، کسی سے یہ بن نہ آیا، اس فن کی بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو، تو چاہیئے کہ کتاب "قواعد" کو دیکھے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے، مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی[2]۔

شاہ صاحبؒ کے لئے یہ نیا موضوع نہیں تھا، جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں خود فرماتے ہیں، امام غزالی، امام خطابی اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے احکام شرعی کے حِکَم و مصالح بیان کئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے، لیکن اس اہتمام جامعیت اور وسعت کے ساتھ اسلام کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحب سے پہلے نہیں ملتی، شاہ صاحب نے آنے والے حالات و ضروریات کے احساس کے تحت حدیث کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعی و اقتصادیات کے غیر متعارف اور صد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دئے ہیں، عہد حاضر

[1] لحظۃ یذکر الصحاح الستہ ص ۷۱

[2] انفاس العارفین ص ۱۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے کہ حدیث کے ذخیرے پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی و اجتماعی مسائل میں فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا ہے، اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی تصنیفات سے بہت کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے سلسلۂ حدیث کی مقبولیت آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو زور شور ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا قاسم صاحبؒ نانوتویؒ رحمۃ اللہ علیہ سے امیر خان نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہے گا، حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں [1] ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے، اور درخواست کی کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاق صاحب کے، شاہ اسحاق صاحب سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام سن کر محدث صاحب رو کے بولے اُن کو میں جانتا ہوں" اور اس کے بعد فرمایا، شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں، وہاں جنت ہے، اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے، یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے، وہاں جنت ہے، اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں [1]"

مصر کے مشہور و معروف عالم علامہ رشید رضا مرحوم "مفتاح کنوز السنۃ" کے مقدمہ میں ہندوستانی علماء کا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد علم حدیث سے جو اشتغال رہا ہے، اور اس میدان میں ان کی جو خدمات ہیں، جس کا سلسلہ الحمدللہ اب بھی جاری ہے اس کا اعتراف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے:

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث — اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں، اگر حدیث

---

[1] امیر الروایات ص ۱۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی ھذا العصر تقضی علیہا بالزوال من امصار المشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والحجاز من القرن العاشر للہجرۃ حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر وانی لما ھاجرت الی مصر سنۃ ۱۳۱۵ھ رأیت خطباء مساجد الازھر وغیرہ یذکرون الاحادیث فی خطبھم غیر مخرجۃ ومنھا الضعیف والمنکر والموضوع ومثلھم فی ھذا الوعاظ والمدرسون ومصنفو الکتب فکنت انکر ذلک علیھم کما بدأت بانکار مثلہ علی اھل بلادی طرابلس قبلھم [1]

کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا، کیوں کہ مصر، شام، عراق حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا، اور چودھویں صدی کی اوائل تک ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا، میں نے جب ۱۳۱۵ھ میں مصر ہجرت کی تو ازہر کی مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھا کہ اپنے خطبوں میں ایسی حدیثیں پڑھتے ہیں، جن کا پتہ نہیں ان میں ضعیف منکر اور موضوع (جعلی) روایتیں بھی ہوتی تھیں، اور یہی حال واعظوں، مصنفوں، مدرسوں سب کا تھا میں ان کو ٹوکتا تھا جیسا کہ اپنے وطن طرابلس میں بھی یہی کرتا۔

علامہ موصوف درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے سلسلے کے کارناموں کا اعتراف کر رہے ہیں، شاہ صاحبؒ کے بعد ہندوستانی علماء نے علم حدیث کی کیا خدمات انجام دیں اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[1] مفتاح کنوز السنۃ ص ۲

مفتی اعظمؒ کی یاد

حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ نور اللہ مرقدہٗ کے حالات زندگی پر یہ پہلی قابل قدر کتاب ہے جو آپ کے فرزند اکبر مولانا حفیظ الرحمان واصف مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی نے مرتب فرما کر شائع کی ہے اس میں ہندو پاکستان کے دیگر علما اور اہل قلم حضرات کے موقر مقالات بھی شامل ہیں۔ اور حضرت مفتی اعظمؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم صدر جمعیۃ علمائے ہند کے مختصر حالات بھی کتاب کے آخر میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب حضرت مفتی اعظمؒ کی سیرۃ کا ایک بہترین مرقع ہے۔

سائز متوسط صفحات ۲۲۸ قیمت پانچ روپئے۔ کاغذ سفید عمدہ۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنگلور میں ایک اہم سیمینار اور اس نواح کا میرا پہلا سفر

سعید احمد اکبر آبادی

گذشتہ ماہ ستمبر میں جنوبی ہند کے مشہور حسین و جمیل شہر بنگلور میں ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا جو ... سے شروع ہو کر ... ستمبر تک جاری رہا۔ اس کا موضوع بحث و گفتگو تھا انڈیا کی یونیورسٹیوں میں مذہب کا مطالعہ اور اس کا اہتمام و انتظام بنگلور کے مندرجۂ ذیل چار اداروں نے کیا تھا:

1- Centre for advance study of religion and society.

2- The myth society.

3- National Institute of social sciences.

4- Indian Institute of world culture.

ڈاکٹر کے۔ یاگو جو ایک مقامی مشن کالج میں مریکن پروفیسر ہیں وہ اس سیمینار کے جنرل سکریٹری مقرر کئے گئے۔ جولائی میں راقم الحروف کو اس سیمینار میں شرکت اور ایک مقالہ پڑھنے کا جب دعوت نامہ ملا تو موضوع بحث کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اسے فوراً منظور کر لیا۔ علی گڑھ سے پروفیسر خلیق احمد نظامی اور خاکسار بس صرف ہم دو مدعو تھے۔ چنانچہ علی گڑھ سے تو ہم دونوں ساتھ تھے ہی۔ دہلی سے دلّی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری کرپال سنگھ۔ پروفیسر ہربنس سنگھ اور ڈاکٹر مشیر الحق ہمراہ ہو گئے۔ ۴ ستمبر کو دن کے سوا نو بجے پالم سے ہمارا ہوائی جہاز اڑا اور درمیان میں ایک گھنٹہ کے لئے حیدر آباد میں ٹھہرتا ہوا ۴½ کے لگ بھگ بنگلور پہنچ گیا۔ ڈاکٹر جون۔ بی۔ کارمن (Jhon . B. Carman.) جو دراصل ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں مگر ایک برس سے زیادہ سے مدراس میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے مقیم ہیں اور اس سیمینار کے بڑی حد تک کرتا دھرتا بھی تھے۔ ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ چونکہ پانچ بجے بنگلور یونیورسٹی میں عصرانہ تھا اس لئے کارمن صاحب ہم سب کو کاروں میں لے کر سیدھے یونیورسٹی پہنچے۔ عصرانہ بڑا مکلف تھا اور یہاں سیمینار کے ممبروں کے علاوہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، کالجوں کے پرنسپل اور چند پروفیسر موجود تھے۔ ایک گھنٹہ تک اکل و شرب کے مشغلہ کے ساتھ تعارف کے بعد باہم ملاقات اور گفتگو ہوتی رہی چھ بجتے ہی ہم سب ایک ہال میں جمع ہو گئے اور اب سیمینار کی افتتاحی تقریب شروع ہوئی۔ سیمینار کے صدر شری ایم۔ پی۔ ایل شاستری ایم۔ اے۔ ایم لل سی جو سنسکرت ودیا پیٹھ کے ڈائرکٹر ہیں قرار پائے تھے اس لئے پہلے انھوں نے تعارفی اور استقبالیہ تقریر کی اور اس کے بعد بنگلور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ڈی۔ کے۔ گوکک نے "ہماری یونیورسٹیوں میں مذہب کی اسٹڈی" پر ایک فاضلانہ خطبہ پڑھا اور رسمی طور پر سیمینار کا افتتاح کیا گھنٹہ سوا گھنٹہ میں یہ کارروائی ختم ہو گئی تو ہم لوگ بنگلور کے مشہور انگریزی ہوٹل شلٹن پہنچا دئے گئے جہاں ہر ایک کے لئے ایک الگ کمرہ پہلے سے رزرو کرا لیا گیا تھا۔ ہمارے جو رفقا سبزی خور تھے ان کے قیام کا انتظام اسی طرح کے ایک دوسرے ہوٹل میں تھا۔

دوسرے دن سے باقاعدہ سیمینار شروع ہو گیا جو ہمارے ہوٹل ہی کے ایک بڑے ہال میں منعقد ہوتا تھا نشست صبح شام دونوں وقت ہوتی تھی۔ نو سے ایک اور پھر تین سے پانچ تک۔ سیمینار میں جن حضرات نے شرکت کی اور اس کی کارروائی میں عملی حصہ لیا ان کی تعداد چالیس تھی جن میں سات یا آٹھ مقامی تھے اور باقی حضرات ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسر یا بعض اداروں کے ڈائرکٹر تھے۔ البتہ پروفیسر ولفرڈ اسمتھ محض اس میں شرکت کے لئے ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ سے آئے تھے۔ چنانچہ جس دن سیمینار ختم ہوا اسی روز وہ براہ دہلی واپس ہو گئے۔ ۵ ستمبر کو صبح نو بجے سیمینار شروع ہوا تو پہلا مقالہ مطبوعہ پروگرام کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق مرکزی وزارت تعلیم کے مشیر جے۔ پی۔ نائک کا " یونیورسٹی میں مذہب کی تعلیم سے متعلق ایجوکیشن کمیشن کے خیالات " کے موضوع پر تھا۔ لیکن وہ کسی وجہ سے نہیں آسکے اور وقت کے وقت معذرت بھیج دی بہرحال پانچ تاریخ سے آٹھ تک چار دنوں میں جو مقالات پڑھے گئے اور جن پر بحث ہوئی ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) ڈاکٹر جے۔ ایل۔ مہتا پروفیسر فلسفہ بنارس ہندو یونیورسٹی: مذہب کی یونیورسٹی اسٹنڈرڈ میں بین الثقافتی مفاہمت کے مسائل

(۲) مختلف مضامین کے تحت مذہب کا تقابلی ذکر درس و مطالعہ:۔

(الف) فلسفہ کے ماتحت :۔ ڈاکٹر کے۔ ایس۔ مورتی پروفیسر فلسفہ آندھرا یونیورسٹی والٹیر۔

(ب) ہندوستانی تاریخ میں :۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔

(ج) سنسکرت اور انڈولوجی :۔ شری ایم۔ پی۔ ایل شاستری صدر سیمینار

(د) علم الانسان میں :۔ ڈاکٹر اے۔ ایپن پروفیسر و صدر شعبۂ علم الانسان آندھرا یونیورسٹی

(۳) ہندوستانی یونیورسٹیوں میں مذہب کی تعلیم کے مسائل :۔ ڈاکٹر ٹی۔ ایم۔ پی مہادیون مدراس یونیورسٹی۔

(۴) مختلف المذاہب سوسائٹی میں مذہب کی تعلیم :۔ ڈاکٹر حسن عسکری عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

(۵) مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا ہے : ڈاکٹر نہار رنجن رے شملہ انسٹیٹیوٹ "

(۶) مذہب کی تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں کے نئے پروگرام :۔

(الف) عثمانیہ یونیورسٹی کا شعبۂ تقابلی مذہب و ثقافت :۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین عثمانیہ یونیورسٹی

(ب) وسوا بھارتی میں مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا پروگرام :۔ ڈاکٹر ایس۔ سی۔ سین گپتا۔ پروفیسر فلسفہ وسوا بھارتی۔

(ج) پنجابی یونیورسٹی میں گرو گوبند سنگھ کرسی اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا تحقیقی پروگرام :۔ سردار کرپال سنگھ وائس چانسلر پنجابی یونیورسٹی۔ پٹیالہ

© rasailojaraid.com